حالات وادوار کے شرعی احکامات پر اثرات

(مولانا محمد تقی امینی کے افکار کا خصوصی مطالعہ)

*عبدالقادر بزدار

**محمد انس حسان

Abstract

Shariat-e-Islami is a universal, comprehensive and everlasting code encompassing every field and aspect of human life. Its variety of thought has rendered it a universal Shariah. The cause of its conciseness is that it is not only based on the Holy Quran and the Sunnah of the Holy Prophet (P.B.U.H) but also it has considered the needs and requirements of every epoch of history. So this Shariah has the capacity to entertain the demands of time and is completely comprehensible as well as practicable and feasible. This aspect of Islam has been a favourite field of research and investigation among the Jurists and researchers. In the present age, how can we benefit from the tenets of Islam in our peculiar circumstances is an important question. In this article some aspects have been highlighted with the background of the above question and a great Muslim researcher of this age Maulana Muhammad Taqi Amini's ideas have been minutely studied and analyzed.

Keywords: Circumstances, History, Shari ahkamat

دور حاضر میں جن اسلامی ممالک میں ایک سنجیدہ علمی طبقہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے سرگرم عمل ہے، ان کے سامنے ایک مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے کہ جن سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل میں قرآن وسنت اور فقہاء کرام کے اجماع کی شکل میں صریح ہدایات موجود ہیں ان کو من وعن تسلیم کرلیا جائے یا حالات وزمانہ کے اعتبار

*صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایمرسن کالج، ملتان

**لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، جہانیاں

سے ان میں مناسب ترمیم واضافہ کی گنجائش موجود ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کتاب وسنت کے تمام احکام ابدی اور دائمی ہیں، ان میں کسی ترمیم واضافہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔اس کے برخلاف تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ جس میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ اور کچھ روشن خیال علماء شامل ہیں یہ کہتا ہے کہ اسلام نے سیاست، معیشت اور معاشرت میں جو حدیں مقرر کی ہیں، ان کو حالات اور ماحول کے تقاضے کے تحت بدلا اور توڑا جا سکتا ہے۔اس حلقہ میں کچھ لوگ تو واقعی اخلاص سے یہی رائے رکھتے ہیں مگر ان میں بیشتر یا تو مغربی نظام کی مرعوبیت کی بناء پر ایسا کہتے ہیں یا پھر اپنی کم علمی اور آزادانہ روی کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں۔(1)

اگر حقیقت بین نظروں سے دیکھا جائے تو دونوں طبقات افراط وتفریط کا شکار ہیں۔پہلا طبقہ اسلام کے ارتقائی فکر میں جمود کا باعث بن رہا ہے تو دوسرا طبقہ مغربی فکر کے زیر اثر اسلام کا ایک بالکل نیا ورژن پیش کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فکری نقطہ نظر سے یہ دونوں طبقات اسلام کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچانے کا باعث بن رہے ہیں۔

یقیناً موجودہ دور کے کئی مسائل اپنے تنوع کے اعتبار سے ایسے ہیں جن میں حالات وزمانہ کی رعایت ناگزیر ہوگی اور ایک صحیح اسلامی نظامِ حکومت کو اس اصول سے گوناگوں استفادہ کرنا پڑے گا لیکن اس امر میں اس بات کا خاص لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا کہ انہی امور میں اس رعایت سے استفادہ کیا جائے جو نبی کریم ﷺ کے مخصوصات یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہوں اور کسی بھی ایسے کام میں رائے زنی سے کام نہ لیا جائے جو ان اصولوں کے برخلاف ہو۔اس حوالہ سے یہ طبقہ تیسرا طبقہ ہوگا جو ان دونوں طبقات کا درمیانہ طبقہ ہے اور راہ اعتدال کی دعوت دیتا ہے۔

مولانا محمد تقی امینی (1926ء۔1991ء) بھی اسی نقطہ نظر کے مالک ہیں۔اس حوالہ سے انہوں نے قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے استفادہ کرتے ہوئے کافی قابلقدر ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے۔مولانا کے نزدیک چونکہ ہر زمانہ میں خیالات کے طرز تعبیر، اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال وغیرہ میں فرق ہوتا ہے اور سب مخاطب یکساں نہیں ہوتے ہیں۔اس لیے اس فرض کی ادائیگی میں ہر دور اور ہر ذہن کی رعایت ضروری ہے۔(2) تغیر احکام بتغیر زمان (زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی) یعنی جو احکام زمانی مصلحت پر مبنی تھے، زمانہ کی تبدیلی سے اب چونکہ

ان کی مصلحت بدل گئی ہے اس لیے ان کی تبدیلی ضروری ہو گئی ہے۔

زمانہ میں تبدیلی دو وجہ سے ہوتی ہے:

(1) فسادِ زمانہ کہ لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہو جائے۔

(2) ترقی زمانہ کہ لوگوں کی معاشرتی حالت ترقی کر جائے۔(3)

چونکہ یہ وجوہات ہر دور کا بنیادی جز و ہوتی ہیں۔اس لیے ان پر عمل بھی ناگزیر ہوتا ہے۔مولانا امینیؒ کے مطابق ''تدوین فقہ'' کی مذکورہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصری رجحانات و معاشرتی احوال کو فقہ کی وسعت و ترقی میں کافی دخل رہا ہے۔جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں، فقہ چارو ناچار وسیع ہوتا گیا۔(4) اس حوالہ سے یہ اسلامی فقہ ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے جدید مسائل اور عصری رجحانات کی رعایت کو بتدریج سمیٹنے اور نئے حالات و معاملات میں درست زاویہ نگاہ دینے کی مکمل کوشش کی۔

چونکہ انسانی زندگی خود تغیر پذیر ہے تو اس میں تنظیم و تہذیب کرنے والے قوانین کیونکر تغیر پذیر نہ ہوں گے؟ اور ان کے بغیر انسانی زندگی اپنے ارتقائی عمل کو کیونکر قائم رکھ پائے گی؟ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان نے گزشتہ تین سو سالوں میں جتنی مادی ترقی کی ہے۔اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔اس ترقی کا اثر انسانی زندگی کے بہت سے گوشوں پر پڑا ہے جس سے کئی نئی ضرورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ان ضرورتوں پر قابو پانے اور انہیں صحیح سمت دیے بغیر اسلام کے قانونی وقار کو برقرار رکھنا عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

''...... بہت سی سماجی خرابیوں کے فروغ کی وجہ سے بعض احکام کے موقع و محل میں تبدیلی ناگزیر بن گئی اور حالات و مصالح کے بدل جانے کی وجہ سے بعض احکام پر عمل درآمد سے ان کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے، ان تمام امور میں غور و فکر کر کے فقہ کے معاشرتی و سماجی پہلو کو ضروریاتِ زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زندگی و قانون میں صحیح ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔''(5)

شریعت الٰہی کے پیش نظر ہمیشہ دو امور رہتے ہیں:

(1) قلبی و روحانی اصلاح

(2) معاشرتی و تمدنی فلاح

مولانا امینیؒ کے نزدیک پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں۔اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل وصورت میں ہوسکتی ہے۔اور نہ روح معنی میں اور دوسرے قسم کے قوانین چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات، وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہوتے ہیں۔اس لیے معاشرہ کی حالت کی تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل وصورت میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔(6) اس حوالہ سے ان کے نزدیک درج ذیل نکات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:۔

☆ حالات اور تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں نئے قوانین وضع کرنا۔

☆ پرانے اجماعی فیصلے جو حالات ومصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات ومصالح کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

☆ وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم ومؤخر کرنا۔

☆ وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات، رسم ورواج، خصائل وعادات ملحوظ ہیں، ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لیے نیا قالب تیار کرنا۔

☆ وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں، موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بناء پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

☆ فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات وتقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ۔(7)

دور کی تبدیلی سے معاشرتی زندگی میں دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں:

(1) تنظیمی تبدیلی

(2) اخلاقی تبدیلی

مولانا کے نزدیک تنظیمی تبدیلیوں کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں لیکن اخلاقی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کر لینے والی قومیں اپنا ملی وجود ختم کر بیٹھتی ہیں (8) مثال کے طور پر اگر ایک دور میں چوری، زنا اور اسی طرح کی دیگر اخلاقی برائیوں کا رواج ہو جائے تو انہیں اس اصول پر قبول نہ کیا جائے گا کہ یہ معاشرتی تبدیلی کے نتیجہ میں ظہور میں آئی ہیں

بلکہ انہیں کسی طور قبول نہ کیا جائے گا۔

مولانا کے مطابق وہ مذاہب جن کی تعلیمات کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں کے ساتھ سمجھوتہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جس مذہب کی تعلیمات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اس میں اور ان تبدیلیوں میں قدم قدم پر ٹکراؤ کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ (9) چنانچہ اس کا مظاہرہ ہم اسلام اور اس کے مدمقابل مذاہب کے فکری رجحانات میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک کو اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ طبقاتی کشمکش کا وہ عفریت جوان دونوں اسلامی ممالک پر مسلط ہے۔ اس سے جان چھڑائے بغیر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا امینیؒ کے مطابق مذہبی طبقہ انفرادی ملکیت کی آڑ میں جاگیردارانہ نظام کو لوگوں کے استحصال کے لیے مذہبی سند فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ان کی رائے ہے کہ موجودہ دور میں وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر مذہبی پلیٹ فارم سے انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری و جاگیرداری نظام کی تائید وتبلیغ کی جاتی رہی تو لازمی طور سے وہ اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے جیسا کہ بعض ممالک میں ردعمل کے طور پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے......اگر وقت کی اس ضرورت ونزاکت کو ملحوظ نہ رکھا گیا اور سرمایہ داری و جاگیرداری سے بدستور غذا اور تقویت حاصل کی جاتی رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ جو زبانیں آج انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری و جاگیرداری کو ''اسلامی'' ثابت کر رہی ہیں، کل وہی زبانیں اشتراکیت کو اسلامی ثابت کرنے میں پیش پیش ہونگی۔ جو تبدیلی اسلام کے نام پر آسکتی ہے اگر مذہبی نمائندے اس کو قبول کرنے کے لیے کسی مصلحت سے تیار نہ ہوئے تو بدترین شکل میں اس سے کہیں زیادہ تبدیلی ہو کر رہے گی۔'' (10)

موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کے نتیجہ میں معاشرتی عدم توازن کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف معاشی استحصال نے غریب کو بنیادی

انسانی ضروریات سے محروم کر کے اخلاقی طور پر بدمزاج اور سماجی طور پر بدحال کر رکھا ہے تو دوسری طرف اس کے برعکس امراء نے انہی غریبوں کی ہڈیوں پر اپنے خواہشات کے محل تعمیر کر رکھے ہیں۔ اس عدم توازن نے انسانیت کو معاشرتی طور پر بہت پریشان کر رکھا۔ مولانا امینیؒ کا ماننا ہے کہ جب معاشرتی عدم توازن محرومی کی شکل اختیار کر لے تو تب عدل وتوازن قائم کرنے کے لیے کئی قوانین میں تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اگر معاشرہ کا یہ حال ہو کہ ایک طبقہ وسائل حیات سے محروم ہو اور دوسرا ہر قسم کے عیش و عشرت میں مشغول ہو تو اس وقت عمل وتوازن پیدا کرنے کے لیے نہ صرف سخت قوانین درکار ہوں گے بلکہ تنظیم وتقسیم کے نظام میں بنیادی تبدیلی بھی ناگزیر ہوگی، حتیٰ کہ اگر اجتماعی نظم وقوانین سے مقصود حاصل ہونے کی توقع ہوگی تو اس سے گریز جرم قرار پائے گا اور لوگوں کی حق تلفی کا باعث بنے گا۔''(11)

اس حوالہ سے اگر شریعت الٰہی میں پہلے سے اصولی شکل میں حکم موجود ہو تو تب بھی تبدیلی کی گنجائش موجود ہوگی۔ چنانچہ مولانا امینیؒ کے مطابق:

''(اگر) حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بناء پر اس کے موقع و محل میں تبدیلی لازمی بن گئی ہے۔ تو روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے حال اور مقام کی مناسبت سے اس کی صورت متعین کرنا (ضروری ہوگا) مثلاً محنت وسرمایہ میں توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ یا حق اور فرض کے حدود متعین کرنے کا سوال ہے۔''(12)

مولانا امینیؒ کے نزدیک معاشرتی عدم توازن میں عدل قائم کرنے کے لیے جو قوانین وضع ہوں گے وہ سب شرعی اور اسلامی ہوں گے لیکن اس کے طریقہ کار میں ان کے نزدیک اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس طریق کار کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہو یا اس کے مطابق وحی نازل ہوئی ہو کیونکہ اس میں حالات و زمانہ کی رعایت سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔(13)

ظاہر میں یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ شرعی قوانین میں نصوص سے نکل کر کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن درحقیقت مولانا امینیؒ کا مطمح نظر نصوص سے ثبوت کا نہ ملنا ان کے خلاف نہیں بلکہ اس مصلحت سے فائدہ اٹھانا ہے جو

ان قوانین کی تفصیل نہ بیان کرنے میں پوشیدہ ہے۔مولانا امینیؒ کا کہنا ہے کہ چونکہ معاشرتی زندگی کے حالات یکساں نہیں رہتے اوران میں ہر دور میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔اس لیے عدل وتوازن کے قوانین میں بھی یکسانیت نہیں ملحوظ رہ سکتی۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح معاشرتی زندگی کے حالات ہر دور میں یکساں نہیں ہوتے اسی طرح عدل و توازن پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے قوانین میں بھی یکسانیت نہیں ملحوظ رہ سکتی۔جب قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو، سرمایہ ایک طبقہ میں سمٹ کر رہ گیا ہواور دوسرا طبقہ وسائل معاش سے محروم ہوکر نانِ جویں کا محتاج ہوتو ایسی حالت میں عدل وتوازن پیدا کرنے کے قوانین اس وقت سے یقیناً مختلف ہوں گے جبکہ قوم خوشحال ہواور معاشرتی عدم توازن محرومی کی حد تک نہ پہنچا ہوایسی صورت میں قرآن حکیم اگر تنظیم وتقسیم کے کسی ایک طریقہ کی نشان دہی کردیتا یا مروجہ انفرادی و اجتماعی ملکیت کی بحث کو اصولی اور بنیادی قرار دیتا تو اس کی عالمگیریت پر کس قدر زد پڑتی؟اور تکمیل ہدایت کی بات کس حدتک تشنہ رہ جاتی؟''(14)

اسلامی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں احوال ومصالح کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور شرعی احکام میں حالات وزمانہ کی رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا۔مولانا امینیؒ کے مطابق معاشرہ اور شریعت میں بڑا گہرا ربط ہے۔اور دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''معاشرہ'' شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال ومصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکام شرعیہ کی شکل وصورت بدلے گی اور جب احوال ومصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہوجائے گی۔ ہدایت الٰہی نے ہمیشہ ''شرائع'' کے نزول میں بنیاد وسامان دونوں کا لحاظ کیا ہے اوراسی وجہ سے شرائع ومناہج کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے۔جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں ان کا لحاظ نہ کیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہوجائے گا، پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہوگی یااس کی چاکری میں مشغول رہے گی۔''(15)

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے متعدد فیصلے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز شراب کی حرمت کا حکم اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شریعت سازی میں احوال ومصالح کی رعایت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر شروع دن سے شراب کی حرمت کا حکم نازل کردیا جاتا تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس پر عمل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ عرب کا معاشرہ اس وقت اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ نیز اس سے معاشرتی اصلاح کی بجائے فکری انتشار کا قوی اندیشہ تھا۔ اسی طرح کی دیگر بہت سی مثالیں ہیں جن سے حالات وزمانہ کی رعایت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا امینیؒ کا ماننا ہے کہ موجودہ دور میں بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اس نوعیت کے احکام اور فیصلوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں شرعی احکام کے حوالہ سے حالات وزمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس حوالہ سے مولانا امینیؒ نے اپنی کتاب ''احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت'' میں کئی مثالیں قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے جمع کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ موجودہ دور میں بھی ان سے استفادہ کی گنجائش موجود ہے۔

قرآن کریم کے حوالہ سے ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ہمیشہ اصول اور بنیادی مباحث ہی کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ یہ بنیادی مباحث وہ ہیں جن کی ہر دور اور ہر زمانہ میں یکساں ضرورت رہتی ہے۔ البتہ ذرائع اور طریقہ کار میں چونکہ ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور ایک چیز جو ایک وقت میں کسی اور شکل میں تھی اور پھر حالات کے پیش نظر اسے کسی اور رنگ میں پیش کرنا پڑا تو اس سے قرآن کریم کے ثبات ودوام اور رعایت زمانہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا امینیؒ کے بقول اگر زمانہ نزول میں کسی ایک طریقہ اور ذریعہ کی نشاندہی کردی جاتی تو بعد میں حالات کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ناگزیر ہوتی اور پھر قرآن حکیم کے ثبات ودوام کی کوئی صورت نہ باقی رہتی۔ (16) چنانچہ قرآنِ کریم کی بہت سے آیات ایسی ہیں جن سے حالات وزمانہ کی رعایت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) ''یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ''(17)

''اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور دسواری نہیں چاہتا''

(2) ''وَ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ''(18)

''اور اس (اللہ) نے تم پر دین میں کچھ مسکل نہیں رکھی''

(3) ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''(19)

''اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''

(4) ''مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ''(20)

''اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے''

قرآنِ کریم سے حالات و زمانہ کی رعایت کے ثبوت مولانا نے بھی پیش کیے ہیں جن کا اختصار یہ ہے:

(1) قرآن کریم دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ اس کے نزول میں تدریج کا اصول کارفرما رہا۔ مولانا امینیؒ اس تدریج سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طریق نزول سے ایک طرف حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف اور قانون میں باہمی ربط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔(21)

(2) قرآنِ حکیم میں بیان کردہ اصول نسخ کے ذریعہ احکام کے موقع محل متعین کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔(22) چنانچہ نسخ کے اصول سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔

(3) قرآن حکیم نے احکام کے بیان کا جو انداز اختیار کیا ہے۔ اس سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔(23) مثال کے طور پر بعض احکام میں محض مقاصد بیان کیے گئے جبکہ ان کی شکل و صورت کا تعین نہیں۔ اسی طرح بعض احکام میں جزئیات کی تشریح سے بحث کر کے بات کو طول نہیں دیا گیا۔ لیکن کئی جزئیات کی تشریح کے باوجود اس کے موقع و محل کی تعیین کی اجازت دی گئی ہے۔

(4) قرآنِ حکیم نے عدل کو معیارِ حق بنایا ہے لیکن مولانا امینیؒ کے مطابق جس طرح معاشرتی زندگی کے حالات یکساں نہیں رہتے اسی طرح عدل و توازن برقرار رکھنے کے لیے اس میں بھی تبدیلی کی گنجائش قرآن حکیم سے ثابت ہے۔(24)

مولانا امینیؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی معاشرتی اور سماجی زندگی کے بہت سے واقعات کو ہم یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات پر محمول ہیں (یعنی قاعدہ و قانون کے تحت نہیں آتے ہیں) حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو ان سے اختیار کی وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز وسعت و تنگی کے مذکورہ اصول کی تائید نکلتی ہے۔ مثلاً:

(1) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے (شراب پی ہے) میرے اوپر حد (سزا) جاری کردیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے ابھی ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا "جی ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اللہ نے تمہارا قصور معاف کردیا۔(25) اس معافی کا اثر اس شخص پر یہ ہوا کہ اس نے شراب نوشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا آپ ﷺ کے کوڑوں (شراب کی سزا) کے خوف سے شراب ترک کرنے کو میں اپنی توہین سمجھتا تھا جب آپ ﷺ نے مجھے معاف کردیا تو واللہ اس ملعون کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

(2) ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم (جو بچانے کے لیے آیا تھا) پکڑ لیا گیا اور دربار نبوت سے اس کو سزا کا حکم بھی سنا دیا گیا۔ یہ صورت دیکھ کر مجرم نے خود آگے بڑھ کر جرم کا اعتراف کیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بری الذمہ قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی سزا معاف فرمادی۔(26) اگرچہ حضرت عمرؓ جیسے فقیہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجرم کو سزا نہ دینا جرم کی حوصلہ افزائی ہوگی لیکن نبی کریم ﷺ کی دوربین نگاہ اس حقیقت پر تھی کہ دوسرے شخص کو موت سے بچا لینا از خود اتنی بڑی نیکی اور توبہ کی ایک شکل ہے کہ اس کے بعد کسی اور بات کی گنجائش نہیں رہتی۔

(3) اس طرح فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ کے سردار اور اسلام کے دشمن ابوسفیان کے گھر کو دارالامان کا درجہ دیا جبکہ کفار سے کسی قسم کی رعایت نہ کرنے کا حکم تھا۔ اس سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔

(4) مولانا امینی صلح حدیبیہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو روش اختیار فرمائی اور بعض صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود جس طرح معاہدہ کی تکمیل کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی سیاست کے فیصلے کس قدر جذبات سے بالا ہوکر حقیقت شناسی اور دور رسی کے حامل ہوتے ہیں.........سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اجتماعی مفاد کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی خاطر جذباتی چیزوں اور انفرادی مفاد کو کس طرح نظر انداز کیا تھا؟ اور بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کا کیسا نمونہ پیش کیا تھا؟"(27)

(5) معاہدہ سے پہلے جب اہل مکہ قحط سے دوچار ہوئے تو باوجود دشمنی کے ان کی مدد فرمائی۔(28) گویا

انسانیت دشمنی پر مقدم ہے۔

(6) حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا رسول اللہ ﷺ نے (باوجود چاہت کہ) خانہ کعبہ کے ساتھ شامل نہیں فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی:

> ''اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساسِ ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا۔''(29)

بعض اوقات یوں بھی ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اجتماعی حالات کے پیش نظر ایک حکم دیا یا کسی چیز سے منع کیا پھر جب حالات بدل گئے یا اس میں ضرر کا اندیشہ ہوا تو اس میں تبدیلی فرمادی۔ مولانا امینیؒ نے اس حوالہ سے بھی متعدد مثالیں بطور استدلال پیش کی ہیں۔

(7) قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ بنا کر رکھنے سے روک دیا تھا تا کہ گاؤں کے لوگ محروم نہ رہیں۔ پھر جب آپ ﷺ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔(30) اگر چہ نبی کریم ﷺ کا پہلا حکم دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا لیکن اگر موجودہ دور میں بھی وہ حالات پیدا ہو جائیں جن کی بنا پر ممانعت کی گئی تھی تو حاکم وقت پہلے حکم کو نافذ کرنے کا مجاز ہوگا۔ کیونکہ اس فیصلہ کا تعلق حالات وزمانہ اور موقع ومحل سے ہے۔

(8) اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تا کہ وساوسِ شیطان وفساد کا دفعیہ ہو اور اللہ کی حرمتیں محفوظ رہیں لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی تا کہ بعد میں ندامت نہ ہو اور ازدواجی زندگی خوشگوار رہ سکے۔(31)

(9) حدود کو قائم کرنے کا حکم ہے لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے جنگ اور دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع کیا ہے۔(32) چنانچہ حدیث میں آتا ہے **لا تقطع الایدی فی الغزو** (33)(جنگ میں ہاتھ مت کاٹو) ایک دوسری روایت میں ہے **لا تقطع الایدی فی السفر** (34)(سفر میں ہاتھ مت کاٹو)۔

(10) رسول اللہ ﷺ نے اشخاص وحالات کے لحاظ سے سوالات کے مختلف جوابات دیے ہیں مثلاً کسی کے لیے نماز سب سے افضل قرار دی اور کسی کے لیے جہاد کو افضل بتایا اور کسی سے والدین کی خدمت کو افضل فرمایا وغیرہ۔(35)

(11) ان باتوں سے چشم پوشی کی جن سے انتشار وافتراق کا اندیشہ تھا۔(36)

(12) غلامی وغیرہ کی منسوخی میں نرمی اور سہولت سے کام لیا جن سے سماجی زندگی مختل ہونے کا اندیشہ تھا۔(37)

(13) نہی عن المنکر کی اہمیت کے باوجود جب اس عمل سے کسی زیادہ بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتو روک ٹوک کرنے سے ممانعت ہے۔(38) گویا مقصود فتنہ اور انتشار کا ازالہ ہے اگر برائی سے روکنے پر اس کے بڑھنے کا اندیشہ ہوتو اس انتہائی اہم اور مفید عمل سے بھی رکنا اور صبر کرنا سنت ہے۔

یہ وہ مثالیں ہیں جن سے مولانا امینیؒ نے اپنے موقف کو بڑے مدلل انداز میں پیش کیا ہے اور ان سے استدلال کرکے دور حاضر میں بھی ان سے استفادہ کی گنجائش کو ثابت کیا ہے۔حدود اللہ کے احکام کے علاوہ وہ احکام جن میں تبدیلی کی گنجائش موجود ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہیں ان سے مستفید ہوکر معاشرہ میں مثبت تبدیلیوں کے رجحان کو پروان چڑھانے کے ساتھ ساتھ ایک صالح معاشرہ وجود میں لایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے احکام کے موقع ومحل متعین کئے تھے اور انتظامی احکام کا اضافہ کیا تھا۔(39) ان احکامات میں صحابہ کرام نے قرآن وسنت سے حتی الوسع استفادہ کرنے کی کوشش کی لیکن جن مواقع میں ضرورت پڑی اجتہاد سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔مولانا امینیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ’’صحابہ کرام نے جن صورتوں میں حالات و زمانہ کی رعایت سے قیاس اور رائے کے استعمال کو ضروری جانا،قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے لیے ضابطہ مقرر فرمایا‘‘۔(40)

لیکن اس حوالہ سے صحابہ کرامؓ نے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا۔مولانا امینیؒ کے مطابق صحابہ کرام رائے اور اجتہاد کے باب میں نہایت محتاط تھے،حالات وزمانہ کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین سے سرِ مو تجاوز نہ فرماتے۔(41) صحابہ کرامؓ کی اس باب میں حد درجہ احتیاط کی متعدد مثالیں ہم نے پہلے بھی ذکر کی ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ کی احتیاط کا کیا عالم تھا۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ سلطنت کی وسعت،جدید مسائل اور ان کے تنوع کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے دور میں حالات وزمانہ کی رعایت کے دائرہ میں کافی وسعت پیدا ہوئی۔چنانچہ صحابہ کرامؓ نے نصوصِ شرعیہ سے کام لیتے

ہوئے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی ایسی ترجمانی کی جو بعد میں آنے والے تمام زمانوں میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

حالات وزمانہ کی رعایت کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کے پیشِ نظر ہمیشہ چند امور رہے:

(الف) اجتماعی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی۔

(ب) فتنہ وفساد کو ہمیشہ رفع کرنے کی کوشش کی۔

(ج) عدل وتوازن قائم کرنے کی کوشش کی۔

(د) موقع ومحل کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔

(ر) معاشی مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔

یہ تمام وہ امور ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا اور اس حوالہ سے شرعی احکام میں جب بھی اور جتنا بھی موقع ملا حالات وزمانہ کی رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

مولانا امینیؒ نے اس حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ نیز اس باب میں حضرت عمرؓ کے دور کے بہت زیادہ حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ اگر مزید تفصیل سے کام لیا جاتا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ سے بھی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی تھیں۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ نے اس اصول سے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے اور اپنی دوربین نگاہوں کی بدولت متعدد لاجواب مثالیں چھوڑیں ہیں شاید اسی لیے ان سے دیگر صحابہ کرامؓ کی بہ نسبت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

انہوں نے صحابہ کرامؓ کے عمل سے حالات وزمانہ کی رعایت کی جو مثالیں بیان فرمائی ہیں ان کا اختصار یہ ہے:

(1) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عورت کو طلاق کے بعد دوسرے نکاح کے باوجود بچے کی پرورش کا حقدار ٹھہرایا۔(41) حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق وجدائی کے بعد عورت کو بچہ کی پرورش کا حقدار اس وقت تک ٹھہرایا ہے جب تک دوسری شادی نہ کرے۔ مولانا امینی کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نبی کریم ﷺ کے عمل کے خلاف نہیں کیا بلکہ موقع ومحل کی نسبت سے اور حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا۔(42) گویا فیصلہ تو نبی کریم ﷺ کا ہی ہوگا لیکن آپ ﷺ نے بھی اپنے فیصلہ میں چونکہ عورت ہی کو سہولت دی ہے اس لیے حاکمِ وقت کو اس کی

اجازت ہوگی کہ وہ حالات کے مطابق فیصلہ کرے۔

(2) حضرت ابوبکرؓ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر دف بجایا تھا۔(43) حالانکہ قرآن وسنت میں ایسے جرم پر قطع ید کا کہیں ذکر نہیں ہے۔مولانا امینیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''اس قسم کی مثالوں میں بظاہر قرآن وسنت کی مخالفتمعلوم ہوتی ہے لیکن حقیقۃً مخالفت نہیں ہے۔ان بزرگوں نے جتنے اجتہادات کیے ہیں اور مجموعہ کو سامنے رکھ کر ہی احادیث واحکام کے موقع ومحل متعین کیے ہیں اس بنا پر ہمارے لیے صحابہ کا طرز عمل حجت ہے اور اسی پر ملی مسائل کا حل موقوف ہے۔''(44)

(3) حضرت عمرؓ نے متوقع فتنہ کے پیش نظر کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کردی۔(45) حالانکہ قرآن وسنت میں اس کی صریح اجازت موجود ہے۔حضرت عمرؓ کا یہ عمل قرآن وسنت کے خلاف نہیں تھا بلکہ متوقع فتنہ کے ازالہ کی نیت سے ایسا کیا۔مولانا امینیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی توجیہہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسی فیصلہ کی خود وضاحت فرمائی ہے:

> ''میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری اقتداء کریں گے اور ذمیہ عورتوں کے جمال کی وجہ سے مسلم عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے یہ بات بڑی آسانی سے فتنہ بن سکتی ہے۔''(46)

(4) حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو قانوناً زمین اور جائیداد رکھنے سے منع کر دیا جبکہ اس سے پہلے اس کی ممانعت نہیں تھی۔(47) حضرت عمرؓ نے یہ عمل اس لیے کیا کہ ان کی خلافت میں ہر ایک کو وظیفہ ان کی خلافت کے ذمہ تھا۔ اگر جائیداد کی اجازت بھی دے دی جاتی تو سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ جو ظاہر ہے کہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔اس کی طرف علامہ طنطناوی جوہریؒ نے بھی اشارہ کیا ہے۔(48) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینی لکھتے ہیں کہ:

> ''دراصل اسلام ایک ایسی صالح جماعت تیار کرکے برقرار رکھنا چاہتا ہے۔جس کا مقصد جان و مال کی قربانی کرکے دوسروں کے لیے رحمت کا ماحول پیدا کرنا ہو یہ اس وقت تک ناممکن ہے

جب تک دلوں سے ذاتی منفعت اور عیش وعشرت کے ''بت'' نہ نکالے جائیں۔''(49)

گویا اگر معاشرہ میں حکومتِ وقت اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور لوگوں کو معاشی طور پر مستحکم اور سماجی طور پر امن کی دولت سے نوازتی ہے تو حکومتِ وقت کو اجازت ہے کہ وہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کا راستہ روکنے کی غرض سے اس پر پابندی لگادے۔

(5) اسلام میں چور کی سزا قطع ید مقرر ہے۔لیکن حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر مال کی دوگنی قیمت وصول کی نیز بھوک وقحط کے عام ابتلاء میں قطع ید سے روک دیا۔اگر چہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اس قرآنی آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے''وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ''(50)(چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں)۔کیونکہ اس آیت میں عموم پایا جاتا ہے لیکن اگر قحط کے دوران بھی اسی فیصلہ کو باقی رکھا جاتا تو مزید فتنہ کا اندیشہ تھا جو ظاہر ہے اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔چنانچہ اس فتنہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ جاری کیا۔

(6) عراق وشام کی مفتوحہ زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے وسیع تر اجتماعی مفاد کے پیش نظر اسے خلافت کی ملکیت قرار دیا(51) حالانکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال قرآن وسنت سے ثابت نہ تھی۔حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''فوجیوں میں زمین کی تقسیم وعدم تقسیم کا معاملہ اس دور کی معاشرتی وسماجی مصالح کی بنا پر تھا۔ اس لیے موجودہ دور میں نہ تقسیم کو بنیاد بنا کر ملکیت زمین کی آڑ میں زمینداری و جاگیرداری کا جواز تلاش کیا جاسکتا ہے اور نہ عدم تقسیم سے اسلام کے زرعی نظام کو اشتراکیت کے زرعی نظام میں محدود کرنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ بلکہ ان دونوں صورتوں سے ان کی اصل روح اور مقصد میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔تاکہ حالات کے تقاضہ کے مناسب زمین کی تنظیم وتقسیم کا نظام قائم ہو سکے۔''(52)

(7) حضرت عمرؓ نے ضحاک بن خلیفہ کو آب پاشی کے لیے محمد بن مسلمہ کی زمین سے ان کی مرضی کے بغیر پانی لے جانے کا حکم دیا۔(53) حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان مرد کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔مولانا امینی کے مطابق موجودہ دور میں جبکہ اکثر لڑائی جھگڑے اور فساد اسی بنا پر ہوتے ہیں تو اگر

حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل کرنے کے لیے حکومتِ وقت اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کرے تو اس سے مسئلہ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔(54)

(8) حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو بھی حکومت میں شریک و دخیل بنایا (55) حالانکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ:

> ''اصل چیز حکومت کا مزاج اور اس کی پالیسی ہے۔ بسا اوقات غیر مسلم سے نظم و انتظام کی توقع مسلمان سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے پارٹی پالیٹکس کو اس میں داخل ہونے دیا اور نہ مسلم و غیر مسلم میں کوئی تفریق کی۔ حالانکہ اس سے پہلے نظم و انتظام محدود ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کی زیادہ شرکت نہ تھی۔''(56)

گویا اسلامی حکومت وسیع تر اجتماعی مفاد کے پیش نظر نیز اس بنا پر کہ موزوں جگہ پر بلاتفریق مذہب موزوں شخص کی تعیناتی ہو، اس بات کی مجاز ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو بھی حکومت میں جگہ دے سکتی ہے۔ دور قریب میں اس کی عمدہ مثال ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کی حکومت ہے۔ جس میں بلاتفریق مذہب حکومتی مناصب پر غیر مسلم لوگو ں کو بھی مساوی جگہ دی گئی۔ اگرچہ اکبر کے نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے دور کے مجموعی معاشرتی حالات آج بھی دنیا کے لیے ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(9) حضرت عمرؓ نے انفرادی ملکیت پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی۔(57) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینیؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''شخصی آزادی اور انفرادی ملکیت دو بڑے ''بت'' ہیں جن کی مدد سے ایک طبقہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر عیش کرتا ہے اور دوسرا طبقہ محنت و مشقت کے باوجود نان جویں کا محتاج رہتا ہے۔ بدقسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں ان دو ''بتوں'' کو مذہب کا سرٹیفیکیٹ حاصل ہوگیا ہے۔ جب کبھی حالت وضرورت کی بنا پر اجتماعی کاشت و تنظیم کا ذکر آتا ہے تو فوراً یہ کہہ کر مخالفت شروع کردی جاتی ہے کہ اس میں لامذہبیت سرایت کی ہوئی ہے جو باہر سے برآمد کی گئی ہے۔ گویا اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہیں کی اور تنظیم و تقسیم میں حالت و

ضرورت کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے۔'' (58)

(10) حضرت عمرؓ نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی (59) اگرچہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسے ناپسند کیا ہے اور اسے بتدریج ختم کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت عمرؓ نے حالات و زمانہ کی رعایت کے پیش نظر اس عمل کو مزید آگے بڑھایا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

> ''اگر مذہب قدیم تنظیم کا نام ہوتا تو حضرت عمرؓ غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی راہیں نہ نکالتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ ہر طرح کے حقوق دے کر معاشرہ میں ان کا مقام اونچا کر دیتے............ لیکن ایک دم سے ختم کرنے میں سماجی زندگی کے مختل ہونے کے اندیشہ تھا۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے بتدریج ختم کرنے کی کوشش کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کوشش کو اور آگے بڑھایا جس کے لیے مختلف طریقے وضع کیے۔'' (60)

(11) حضرت عمرؓ کا ایک اور انقلابی قدم معاشرتی امتیازات کا خاتمہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ذات پات اور حسب نسب کے خودساختہ امتیازات کا خاتمہ کیا۔ مولانا نے حضرت عمرؓ کے اس عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے معاشرتی اثرات کی افادیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''معاشرتی اونچ نیچ، ذات پات، حسب نسب اور معیار زندگی کے بتوں کو توڑنے کے لیے ایک صورت تو یہ ہے کہ قانون بنا دیا جائے اور وقتاً فوقتاً جمہوریت و مساوات پر عام مجمع کو خطاب کر دیا جایا کرے اس کا جتنا اثر ظاہر ہو رہا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ قانون کے ساتھ میل جول و ملاقات وغیرہ میں عملاً اور امتیازات کو ختم کیا جائے اور گھریلو و بیرونی زندگی میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن کے ذریعہ پست و بالا دونوں محسوس کرنے لگیں کہ اس نظام میں خودساختہ بلندیوں اور پستیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' (61)

حوالہ جات

1۔ ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۷

2۔ امینی، محمد تقی، اجتہاد: ص ۲۶۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی

3۔ ایضاً،ص۲۶۳

4۔ امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص۶۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی

5۔ ایضاً

6۔ ایضاً، ص۳۷

7۔ ایضاً، ص۳۷۔۴۷

8۔ امینی، محمد تقی، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص۱۶۵ الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

9۔ ایضاً

10۔ ایضاً، ص۴۲

11۔ ایضاً، ص۳۹

12۔ اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص۴۷

13۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص۳۹

14۔ ایضاً، ص۳۶

15۔ ایضاً، ص۲۱

16۔ ایضاً، ص۵۰

17۔ القرآن، البقرہ، آیت ۱۸۵

18۔ القرآن، الحج، آیت ۷۸

19۔ القرآن، البقرہ، آیت ۲۸۶

20۔ القرآن، المائدۃ، آیت ٦

21۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص۲٦

22۔ ایضاً، ص۲۷

23۔ ایضاً، ص۳۳

24۔ ایضاً، ص۳٦

25۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح (الکتب الستہ)، ص۸۵۲، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء

26۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری (الکتب الستہ)، ص۴۴۲، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء

27۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص۱۲۵۔۱۲۴۔

28۔ القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (الکتب الستہ)، ص٥٦٥ دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ١٩٩٩ء
29۔ الجامع الصحیح للبخاری (الکتب الستہ)، ص٣٣٤
30۔ القزوینی، محمد بن یزید، السنن لابن ماجہ، (الکتب الستہ)، ص١٧٩٠، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ١٩٩٩ء
31۔ السنن لابن ماجہ (الکتب الستہ)، ص١٨٩١
32۔ الجامع الصحیح للبخاری (الکتب الستہ)، ص٤٩٢
33۔ الخطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ، المشکاۃ المصابیح، ص٢١٤، دارالنفائس، بیروت ٢٠٠٣ء
34۔ ایضاً ٢١٥
35۔ نسائی، احمد بن شعیب، السنن (الکتب الستہ)، ص١٢٣٨، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ١٩٩٩ء
36۔ الجامع الترمذی (الکتب الستہ)، ص٩٥٢
37۔ المشکاۃ المصابیح، ص٣١٥
38۔ الجامع الصحیح للبخاری (الکتب الستہ)، ص٣١١
39۔ احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص١٣٦
40۔ ایضاً، ص١٣٨
41۔ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ج٢، ص٢٤٢، دارالجیل بیروت، ١٩٧٣ء
42۔ احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص١٧٢
43۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ج٢، ص٣٤٣، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، س۔ن
44۔ احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص١٧٤
45۔ اعلام الموقعین، ج١، ص١٤٢
46۔ احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص١٧٧
47۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج٣، ص٤٤٣، دار الصمیعی، سعودی عرب، ٢٠٠٣ء
48۔ محمد طنطناوی، نظام العالم والامم: ج٢، ص١٨٤۔١٨٣، دارالعلم، بیروت، ١٩٨٨ء
49۔ احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص١٧٨
50۔ القرآن، المائدہ، آیت ٣٨
51۔ محمد بن صالح العثیمن، شرح الاصول من علم الاصول، ج١، ص٥٣٢، دارالبصیرہ مصر، س۔ن

52۔ اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۱۰۳

53۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۱۴۲

54۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۹۸

55۔ البحر الرائق، ج ۲، ص ۴۳۲

56۔ احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۰۹۔۲۰۸

57۔ الشاطبی، اسحاق بن ابراہیم، الموافقات، ج ۲، ص ۱۳۲، دار ابن عفان، س۔ن

58۔ احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۱۵۔۲۱۶

59۔ الموافقات، ج ۲، ص ۴۲۲

60۔ احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۲۷۔۲۲۶

61۔ ایضاً، ص ۲۵۱